

دوسری قسط:

فتویٰ اور اصول فتویٰ

فتویٰ دینے کے اصول و ضوابط

ضبط و ترتیب

مولانا مفتی عظیم اللہ بنوری

مفتی و مدرس جامعہ المرکز الاسلامی پاکستان بنوں

(۱) فتویٰ دینے کے آداب میں سے یہ بھی ضروری ہے کہ مفتی کتب مذہبیہ سے صریح جزئیہ کو تلاش کریں جب تک صریح جزئیہ نہ ملے محض تعلیقات اور تاویلات سے جواب نہ دے۔

(۲) تاہم اگر ضرورت پڑ جائے یعنی کافی تلاش اور تتبع کرنے کے بعد بھی جزئیہ نہ مل سکے تو جواب میں یہ لکھنا مناسب ہوگا کہ جزئیہ نہیں ملا لہذا جواب قاعدے سے لکھا جاتا ہے حضرت تھانویؒ کا یہی طریقہ تھا۔ ”آپ فرماتے ہیں:“ قواعد سے جواب لکھتا ہوں تو اس میں احتیاط کرتا ہوں کہ یہ لکھ دیتا ہوں کہ قواعد سے یہ جواب لکھا ہے جزئیہ نہیں ملا“۔ (اشرف المعمولات ص ۳۲ بحوالہ تحفۃ العلماء جلد ۲ ص ۲۳۷)

(۳) اور نہ صرف ایک جزئیہ ایک کتاب میں دیکھ کر اس پر فتویٰ دیا جائے بلکہ متعدد کتابیں دیکھنے اور خوب تحقیق کرنے کے بعد فتویٰ دیا جائے اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس کتاب میں کوئی غلطی ہو چکی ہے مثلاً شاتم رسول کی توبہ کی قبولیت کے مسئلہ پر کئی کتابوں میں احناف کا مذہب عدم قبولیت کا لکھا ہے حالانکہ احناف کے ہاں اسکی توبہ قبول ہوگی۔ (تحقیق از رسالہ ابن عابدین)

(۴) جواب ظاہری عبارت کے موافق دینا چاہیے اگرچہ حقیقت میں معاملہ کچھ اور ہو مگر یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ لکھا جائے کہ بنا بر صورت مسئلہ کے مطابق جواب یہ ہے۔

(۵) مفتی کو جواب واضح صریح اور سلیس زبان میں دینا چاہیے الفاظ کے پیچھے پڑنے سے اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جو سوال کیا جائے اسکا بلا تکلف صاف جواب دینا چاہیے۔ گول اور پیچیدہ الفاظ ہرگز نہ ہونے چاہئیں تکلف اور تصنع جو آجکل بطور عادت ثانیہ کے ہو گئے ہیں بالکل خلوص کے خلاف اور نہایت تکلیف دہ چیزیں ہیں۔ (ملفوظات الشریفہ ص ۱۹۸)

(۶) جو مستفتی معترض یا معاند ہو اور صرف امتحان یا اعتراض کی غرض سے سوال کرتا ہو عمل کرنے کا مقصد نہ ہو تو اسکا جواب نہیں دینا چاہیے کہ اس سے خاموشی بہتر ہے مگر مولویوں کو کب آتی ہے جوش اٹھتا ہے جسکو محض اعتراض مقصود ہو اس کو کہہ دینا چاہیے کہ جاؤ یونہی سمجھو البتہ جواب سمجھانا چاہیے۔ (تحفۃ العلماء جلد ۲ ص ۲۵۲)

(۷) ہر مسئلہ پر فتویٰ دینے سے گریز کرنا مناسب ہے بلکہ فتویٰ کا جواب نہایت غور و فکر کے بعد دینا ضروری ہے کہ کہیں فتویٰ مفاسد کے اٹھنے کا ذریعہ نہ بن جائے اگر مفاسد کا خطرہ ہو تو اس سے خاموشی بہتر ہے حکیم الامت فرماتے ہیں کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ کم گوئی نفسہ صحیح ہو مگر مفسد الی الفساد ہو جاتے ہیں جہاں عوام کو ان کی اطلاع ہونے پر اور آفتیں کھڑی ہو جائیں اس لیے ایسے مسائل کو بیان

نہیں کرنا چاہیے میں نے بہت دفعہ بیان کیا ہے کہ علم دین بعض لوگوں کو مضرب ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی ضرر سے بچانا مقصود ہے۔

(۸) اگر کسی سوالنامے میں کوئی فتنہ انگیز سوال پوچھا گیا ہو مثلاً کسی عالم دین، واعظ یا کسی شخص کا کوئی عقیدہ بیان کر کے اس کے بارے میں سوال ہو تو اس طرح جواب دیا جائے کہ ایسا عقیدہ کسی عالم دین یا مسلمان کا نہیں ہو سکتا اگر اس شخص کا یہ عقیدہ ہو تو وہ خود زبانی یا تحریری لکھ کر پوچھیں یہی طریقہ حکیم الامت کا تھا۔ (تحفۃ العلماء جلد ۲ ص ۴۵۵)۔

(۹) اگر فتویٰ لمبا ہو اور ایک کاغذ پر جواب تمام نہ ہوتا ہو تو دوسری کاغذ پر لکھنے کے بعد دونوں کاغذات کو مہر کر لیں۔ یا دونوں پر دستخط کر لے تاکہ تحریف کا شبہ نہ رہے۔

(۱۰) فتویٰ مختصر اور جامع ہونا چاہیے طوالت کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ فتویٰ سے غرض مستفتی کو شرعی حکم بیان کرنا ہے مناقشہ مقصود نہیں۔

(۱۱) تاہم جہاں اختصار و وضاحت اور بیان مطلوب میں تفصیل ہو تو وہاں طوالت کے ساتھ فتویٰ دینا واجب ہے مثلاً کسی شخص کے کسی موجب کفر عقیدے بارے میں پوچھا جائے تو بغیر مینہ شرعیہ یا اقرار کے فتویٰ نہ دیا جائے۔ (اصول الدعویہ ص ۶۸ مطلب الرابع الفتویٰ)۔

(۱۲) فتویٰ دینے میں زمان اور مکان کا خیال رکھنا ضروری ہے کیونکہ زمان اور مکان سے فتویٰ بدل جاتا ہے بشرطیکہ حکم شرعی کسی خاص شہر کے عرف پر مبنی ہو اور جدید عرف نص شرعی کے مخالف نہ ہو یا حکم شرعی کی خاص معنی پر مبنی ہو اور وہ معنی زمانہ کی وجہ سے متغیر ہو جائے۔

(اصول الدعویہ ص ۱۴۹ مطلب الرابع الفتویٰ)۔

(۱۳) ضرورت اور مصلحت کی بناء پر فتویٰ میں سخت الفاظ لکھنا اور سختی کیساتھ فتویٰ دینا جائز ہے۔ مثلاً فتویٰ دینے کے بعد یوں

لکھا جائے کہ اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور جو شخص اسکے خلاف کر لے گناہ گار ہوگا۔ (اصول لدعوہ ص ۷۱ مطلب الرابع الفتویٰ)۔

اور اگر جواب نہیں آتا تو صاف الفاظ میں کہے کہ میں نہیں جانتا اس لیے کہ لا ادری بھی نصف علم ہے امام مالکؒ سے اڑتالیس مسائل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ۳۲ کے بارے میں لا ادری فرمایا۔ (اصول الدعویہ ص ۱۵۹)۔

(۱۴) مفتی فتویٰ دیتے وقت صریح جزئیہ نقل کریں اور جزئیہ نقل کرنے میں بھی معتبر کتابوں پر اکتفا کریں۔ (معین الحکام ص ۳۱)۔

(۲۱) جس فتویٰ کا تعلق ایمان و اقرار یا اس جیسے دیگر امور سے ہو تو جب تک لفظ کے احوال اور عرف یا کسی معتبر و معتمد عالم سے جو ان الفاظ و عرف کا ماہر ہو پوچھ کر معلوم نہ کریں تب تک جواب نہ دیں۔ (شرع المہذب جلد ۲۶)۔

(۲۲) فتاویٰ میں تسابیل کرنا حرام ہے جو شخص تسابیل سے کام لیں تو اس سے استفتاء کرنا بھی درست نہیں کیونکہ یہ تسابیل میں داخل ہے کہ کما حقہ استفتاء دیکھنے سے قبل جواب لکھنے میں جلد بازی نہ کرے اسی طرح جن مسائل کا تسابیل نے سوال نہ کیا ہو اور مفتی جواب دینے لگے اور اگر سوال کا پہلے سے علم ہو تب تو جواب دینے میں جلد بازی کرنا درست ہے اس طرح تسابیل میں یہ بھی شامل ہے کہ حرام اور مکروہ حیلوں کو تلاش کرنے لگے اور درمیان میں کوئی فاسد غرض ہو۔ (شرع المہذب ج ۱ ص ۴۶)۔

الاشباہ والنظائر میں ہے قولہ:

۱: ”اذا سئل المفتی عن شئ الخ ”فی“ البزازیة“ فی أو اخر السادس من كتاب الصلح ما صورته: فی ”الخزانة“: أن التخرج باطل اذا كان فی التركة دين ولو لم يذكر فی صك التخرج أن فی التركة دينا والا فالصك صحيح، وكذا لو لم يذكر فی الفتوى، ولكن سئل عن صحة التخرج یفتی بالصحة، ويحمل علی وجود شرائطها كما لو ذكر فی الفتوى رجل باع ماله یفتی بالصحة، وان احتمل أنه غیر عاقل، والأصل فیہ ما ذكره الأستاذ أن المطلق محمول علی الكمال الخالی عن العوارض المانعة من الجواز فالصحة بالخلو عن الدين هو الأصل، فلا یثبت بلا تعرض علی وجود العارض“.

۲: ”المفتی انما یفتی بما یقع عنده من المصلحة، كما فی مهر البزازیة الخ“ لعل المراد بالمفتی هنا المجتهد أما المقلد اذا كان فی المسألة قولاً ن مصححان فانه مخیر فی الفتوى بكل واحد منهما، فیختار ما فیہ المصلحة منهما هكذا ظهر لی، ثم راجعت عبارة ”البزازیة“ فوجدته ذكره فی النوع الخامس من المهر مانصه: وبعد ایفاء المهر المعجل اذا أراد أن یخرجهما الی بلد الغریبة مدة السفر بلا اذنها یمنع من ذلك، لأن الغریب یؤدی أو یتضرر لفساد الزمان،“ (الاشباہ والنظائر جلد نمبر ۲ ص ۱۹۳) كتاب القضاء والشهادات والدعوى).

(۱۵) مفتی فتویٰ دیتے وقت غیر مشہور اور غیر معروف کتابوں سے اجتناب کریں ہاں اگر معتبر کتابوں سے ان کی تائید ہوتی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔

”وعلى هذا تحرم من الكتب الغریبة التي لم تشتهر حتى تظاهر علیها الخواطر و یعلم صحة ما فیها. (معین الحکام).“
بالا عبارت کی بناء پر غیر مشہور کتابوں سے فتویٰ دینا درست نہیں ہے یہاں تک عقل اس کو قبول کریں اور اس کو صحت کا پتہ چل جائے۔
(۱۶) مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ جواب استفتاء کے مطابق دے استفتاء سے خارج جواب سے پرہیز کریں تاکہ مستفتی کو اصل مقصود حاصل ہو۔ (اصول الدعوى ص ۱۶۷).

(۱۷) مفتی جب جواب لکھے تو دلیل سے جواب دے تاکہ مستفتی کو اطمینان قلبی حاصل ہو سکے۔
حافظ ابن القیم فرماتے ہیں: ”ان یدکر دلیل الحکم ماخذہ امکنہ من ذلك“ کہ مفتی جب فتویٰ لکھنا شروع کرے تو سرورق پر تسمیہ لکھے یا ”الجواب وباللہ التوفیق“ علام طحطاویؒ نے لکھا ہے: کہ ”ینبعی ان یکتب عقب جوابہ واللہ اعلم وقیل یکتب فی العقائد واللہ الموفق“ (طحطاوی علی الدر المحتاج ص ۴۹).

مفتی کیلئے مناسب ہے: کہ جواب آخر میں اللہ اعلم کے الفاظ تحریر کریں اور اگر مسئلہ کا تعلق عقائد سے ہوں واللہ الموفق لکھے۔
(۱۹) مفتی کو چاہئے کہ جواب لکھتے وقت اپنا دل اللہ کی طرف متوجہ کریں اور محتاج محض بن کر اپنے آپ کو خدا کے آگے پیش کریں اس

کثرت سے دعا کریں ”یَلِیْقُ بِالْمَفْتٰی“، ”ان یکثر الدعاء“ (اعلام ج ۲ ص ۲۷۱)۔

(۲۰) مفتی کو چاہیے کہ متغیر خلق اور اشتغال قلب کی حالت میں فتویٰ نہ دیں مثلاً غصہ کی حالت اس طرح غمی خوشی تکلیف، غلبہٴ نیند اور بھوک و پیاس کی حالت یعنی ہر اس حالت میں جس میں طبیعت اعتدال سے نکل جاتی ہے۔ فتویٰ دینا جائز نہیں البتہ اگر اعتدال سے نہ نکلیں تو پھر بعض ایسے حالات میں فتویٰ دینا جائز ہے۔ (شرح المہذب ج ۱ ص ۴۶)۔

(۲۳) مفتی جب فتویٰ مکمل کریں تو اپنے ہم نشین علماء فضلاء کو چاہیے (وہ اسکے شاگرد ہی کیوں نہ ہوں) بطور مشورہ کے سنائے، اگر اشکال ہو تو نرمی اور انصاف کے ساتھ ان سے بحث و مباحثہ کرے اور جو حق بات سامنے آئے اسے بلا تامل قبول کرے۔

(مقدمہ شرح مہذب، فصل آداب المستفتی والمفتی)۔

(۲۴) اگر فتویٰ میں کسی کتاب کی عبارت نقل کی ہو تو اس کتاب کی جلد نمبر صفحہ نمبر اور اگر ہو سکے باب اور فصل بھی تحریر کرے، اور اگر اس کتاب کے مختلف الطبع نسخے ہوں تو مطبع (پریس) کا نام بھی تحریر کرے۔

(۲۵) اگر کسی کتاب کی عبارت دوسری کتاب میں دیکھی ہو تو اولاً تو خود اس کتاب میں دیکھ کر نقل کرے۔ ورنہ بصورت دیگر اس کتاب کی عبارت بحوالہ کتاب ثانی لکھے۔ مثلاً ایک مسئلہ مفتی نے امداد الفتاویٰ میں بحوالہ شامی دیکھا ہے اور شامی مفتی کے پاس ہے ہی نہیں، تو وہ مسئلہ کے جواب میں تحریر کرے۔ (ہکذا فی ردالمختار بحوالہ امداد الفتاویٰ)۔

(۲۶) مفتی جواب دینے میں میانہ روی سے کام لے نہ بہت باریک لکھے اور نہ بہت جلی اور نہ ہی ایک جواب میں مختلف قسم کی روشنائی سے جواب لکھے۔ تاکہ جعل سازی کا احتمال نہ رہے بلکہ ایک ہی قسم کی قلم اور روشنائی سے جواب لکھے۔

(مقدمہ شرح مہذب ج ۱ اس ۱۲ آداب المفتی)۔

(۲۷) جواب لکھنے میں استفسارات کی ترتیب کا خیال رکھے، یعنی جو پہلے سے اس کا جواب پہلے دے علیٰ ہذا الترتیب، البتہ مسافر اور خواتین کا لحاظ رکھ سکتا ہے جبکہ تاخیر کرنے سے ان کا نقصان ہو رہا ہو۔ (البحر الرائق جلد ۶ ص ۲۶۸)۔

(۲۸) اگر استفسار یعنی سوال کے درمیان یا آخر میں جگہ خالی ہو جس میں مجلسازی ہو سکتی ہو۔ تو مفتی از خود وہاں نکتے (۔۔۔) یا اس (xxxx) کا نشان لگا دے تاکہ جواب دینے کے بعد کوئی شخص اس میں مجلسازی نہ کر سکے، جو آئندہ کسی فتنہ اور فساد کا باعث نہ بنے اگر سوال کے مختلف اجزاء ہوں تو مفتی اجزاء کی ترتیب کا لحاظ رکھتے ہوئے نمبر وار جواب لکھے تاکہ مستفتی پر التباس نہ آئے اور اگر بالفرض تحریری جواب میں فتنہ اور فساد کا اندیشہ ہو مثلاً مسئلے کا تعلق قضاء کے ساتھ ہو یا تحریری جواب دینا لازمی نہیں اگر کسی واقعے کا بذات خود مفتی کو علم ہو اور استفسار واقع کے خلاف ہو تو اس صورت میں جواب دینے سے گریز کریں اور از سر نو صحیح صورت حال کے موافق سوال ہو جائے تو جواب تحریر کریں اسلئے کہ بعض اوقات لوگ محض دنیاوی اغراض کی تکمیل کیلئے فتویٰ کی آڑ لیتے ہیں جس سے فتنے کا سخت اندیشہ ہوتا ہے۔ (فتویٰ نویسی کے رہنما اصول ص ۳۸)۔

(۲۹) اُمرِ مفتی کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جو دو فریقوں کے درمیان تنازع ہو اور وہ نزاع بھی مشہور ہو تو اسے چاہیے کہ کسی حیلہ سے کام لے کر اس سے اپنا دامن چھڑالے اور اس طرح کے مسائل میں الجھنے سے پرہیز کریں۔

(۳۰) اُمرِ مفتی کی نیت استفسار کی نہ ہو بلکہ اعتراض کی ہو تو اس کو بالکل جواب نہ دیں۔

(۳۱) اُمرِ مفتی کے پاس وارث کا مسئلہ جائے تو اس میں بہت احتیاط سے کام لیں اس لئے کہ میراث کا مسئلہ بسا اوقات نزاع اور جھگڑا کا باعث بن جاتا ہے لہذا اچھی طرح تحقیق کر کے مستفتی سے در ثاء کی تعداد معلوم کر کے جواب لکھیں اور آخر میں یہ چند الفاظ لکھیں۔

”بنا بر صحت واقعہ مذکورہ اگر در ثاء کی تعداد صورت مسئلہ کے موافق ہے تو جواب یہ ہوگا تا کہ مفتی عند اللہ اور عند الناس ماخوذ نہ ہو اور جملہ در ثاء کے حصص کو الگ الگ کر کے لکھیں۔“

(۳۲) اپنے دیئے ہوئے فتوے کی ایک نقل اپنے پاس رکھتے تاکہ بوقت ضرورت فتنہ سے بچنے کا ذریعہ بنے اور ایک غلمی سرمایہ بھی تیار ہو جائے۔

(۳۳) مفتی کو چاہیے کہ مسئلہ کا جواب لکھے اور پھر اس پر نظر ثانی کریں تاکہ خلط والتباس سے جواب بچ جائے اور اگر تصحیح کی ضرورت ہو تو جواب کو درست کیا جائے۔ (شرح المہذب جلد ۱ ص ۱۲)۔

تو فتویٰ دینے میں ان جملہ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے بغیر اس کے فتویٰ صادر کرنا اکثر فتنے اور فساد کا باعث ہوتا ہے جبکہ اسلام نے فتنہ اور فساد سے منع کیا ہے۔

مفتی اور مستفتی کے لئے مزید اصول و آداب:

شیخ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ جو شخص اہلیت فتویٰ کے ساتھ مشہور نہ ہو تو اس سے فتویٰ نہیں لینا چاہیے۔

”ولا يجوز له استفتاء كل من اعترى الى العلم او انتصب في منصب التدريس او غيره من مناصب اهل العلم بمجرد ذلك“ (فتاویٰ ابن صلاح)

اور جو اہلیت فتویٰ کے ساتھ مشہور ہو تو:

”ويجوز له استفتاء من توافد بين الناس واستفاض فيهم كونه أهلاً للفتوى“ (آداب المفتي والمستفتي ۸۶/۱، ۸۷/۱، ۸۸/۱، ۸۹/۱، ۹۰/۱، ۹۱/۱، ۹۲/۱، ۹۳/۱، ۹۴/۱، ۹۵/۱، ۹۶/۱، ۹۷/۱، ۹۸/۱، ۹۹/۱، ۱۰۰/۱، ۱۰۱/۱، ۱۰۲/۱، ۱۰۳/۱، ۱۰۴/۱، ۱۰۵/۱، ۱۰۶/۱، ۱۰۷/۱، ۱۰۸/۱، ۱۰۹/۱، ۱۱۰/۱، ۱۱۱/۱، ۱۱۲/۱، ۱۱۳/۱، ۱۱۴/۱، ۱۱۵/۱، ۱۱۶/۱، ۱۱۷/۱، ۱۱۸/۱، ۱۱۹/۱، ۱۲۰/۱، ۱۲۱/۱، ۱۲۲/۱، ۱۲۳/۱، ۱۲۴/۱، ۱۲۵/۱، ۱۲۶/۱، ۱۲۷/۱، ۱۲۸/۱، ۱۲۹/۱، ۱۳۰/۱، ۱۳۱/۱، ۱۳۲/۱، ۱۳۳/۱، ۱۳۴/۱، ۱۳۵/۱، ۱۳۶/۱، ۱۳۷/۱، ۱۳۸/۱، ۱۳۹/۱، ۱۴۰/۱، ۱۴۱/۱، ۱۴۲/۱، ۱۴۳/۱، ۱۴۴/۱، ۱۴۵/۱، ۱۴۶/۱، ۱۴۷/۱، ۱۴۸/۱، ۱۴۹/۱، ۱۵۰/۱، ۱۵۱/۱، ۱۵۲/۱، ۱۵۳/۱، ۱۵۴/۱، ۱۵۵/۱، ۱۵۶/۱، ۱۵۷/۱، ۱۵۸/۱، ۱۵۹/۱، ۱۶۰/۱، ۱۶۱/۱، ۱۶۲/۱، ۱۶۳/۱، ۱۶۴/۱، ۱۶۵/۱، ۱۶۶/۱، ۱۶۷/۱، ۱۶۸/۱، ۱۶۹/۱، ۱۷۰/۱، ۱۷۱/۱، ۱۷۲/۱، ۱۷۳/۱، ۱۷۴/۱، ۱۷۵/۱، ۱۷۶/۱، ۱۷۷/۱، ۱۷۸/۱، ۱۷۹/۱، ۱۸۰/۱، ۱۸۱/۱، ۱۸۲/۱، ۱۸۳/۱، ۱۸۴/۱، ۱۸۵/۱، ۱۸۶/۱، ۱۸۷/۱، ۱۸۸/۱، ۱۸۹/۱، ۱۹۰/۱، ۱۹۱/۱، ۱۹۲/۱، ۱۹۳/۱، ۱۹۴/۱، ۱۹۵/۱، ۱۹۶/۱، ۱۹۷/۱، ۱۹۸/۱، ۱۹۹/۱، ۲۰۰/۱، ۲۰۱/۱، ۲۰۲/۱، ۲۰۳/۱، ۲۰۴/۱، ۲۰۵/۱، ۲۰۶/۱، ۲۰۷/۱، ۲۰۸/۱، ۲۰۹/۱، ۲۱۰/۱، ۲۱۱/۱، ۲۱۲/۱، ۲۱۳/۱، ۲۱۴/۱، ۲۱۵/۱، ۲۱۶/۱، ۲۱۷/۱، ۲۱۸/۱، ۲۱۹/۱، ۲۲۰/۱، ۲۲۱/۱، ۲۲۲/۱، ۲۲۳/۱، ۲۲۴/۱، ۲۲۵/۱، ۲۲۶/۱، ۲۲۷/۱، ۲۲۸/۱، ۲۲۹/۱، ۲۳۰/۱، ۲۳۱/۱، ۲۳۲/۱، ۲۳۳/۱، ۲۳۴/۱، ۲۳۵/۱، ۲۳۶/۱، ۲۳۷/۱، ۲۳۸/۱، ۲۳۹/۱، ۲۴۰/۱، ۲۴۱/۱، ۲۴۲/۱، ۲۴۳/۱، ۲۴۴/۱، ۲۴۵/۱، ۲۴۶/۱، ۲۴۷/۱، ۲۴۸/۱، ۲۴۹/۱، ۲۵۰/۱، ۲۵۱/۱، ۲۵۲/۱، ۲۵۳/۱، ۲۵۴/۱، ۲۵۵/۱، ۲۵۶/۱، ۲۵۷/۱، ۲۵۸/۱، ۲۵۹/۱، ۲۶۰/۱، ۲۶۱/۱، ۲۶۲/۱، ۲۶۳/۱، ۲۶۴/۱، ۲۶۵/۱، ۲۶۶/۱، ۲۶۷/۱، ۲۶۸/۱، ۲۶۹/۱، ۲۷۰/۱، ۲۷۱/۱، ۲۷۲/۱، ۲۷۳/۱، ۲۷۴/۱، ۲۷۵/۱، ۲۷۶/۱، ۲۷۷/۱، ۲۷۸/۱، ۲۷۹/۱، ۲۸۰/۱، ۲۸۱/۱، ۲۸۲/۱، ۲۸۳/۱، ۲۸۴/۱، ۲۸۵/۱، ۲۸۶/۱، ۲۸۷/۱، ۲۸۸/۱، ۲۸۹/۱، ۲۹۰/۱، ۲۹۱/۱، ۲۹۲/۱، ۲۹۳/۱، ۲۹۴/۱، ۲۹۵/۱، ۲۹۶/۱، ۲۹۷/۱، ۲۹۸/۱، ۲۹۹/۱، ۳۰۰/۱، ۳۰۱/۱، ۳۰۲/۱، ۳۰۳/۱، ۳۰۴/۱، ۳۰۵/۱، ۳۰۶/۱، ۳۰۷/۱، ۳۰۸/۱، ۳۰۹/۱، ۳۱۰/۱، ۳۱۱/۱، ۳۱۲/۱، ۳۱۳/۱، ۳۱۴/۱، ۳۱۵/۱، ۳۱۶/۱، ۳۱۷/۱، ۳۱۸/۱، ۳۱۹/۱، ۳۲۰/۱، ۳۲۱/۱، ۳۲۲/۱، ۳۲۳/۱، ۳۲۴/۱، ۳۲۵/۱، ۳۲۶/۱، ۳۲۷/۱، ۳۲۸/۱، ۳۲۹/۱، ۳۳۰/۱، ۳۳۱/۱، ۳۳۲/۱، ۳۳۳/۱، ۳۳۴/۱، ۳۳۵/۱، ۳۳۶/۱، ۳۳۷/۱، ۳۳۸/۱، ۳۳۹/۱، ۳۴۰/۱، ۳۴۱/۱، ۳۴۲/۱، ۳۴۳/۱، ۳۴۴/۱، ۳۴۵/۱، ۳۴۶/۱، ۳۴۷/۱، ۳۴۸/۱، ۳۴۹/۱، ۳۵۰/۱، ۳۵۱/۱، ۳۵۲/۱، ۳۵۳/۱، ۳۵۴/۱، ۳۵۵/۱، ۳۵۶/۱، ۳۵۷/۱، ۳۵۸/۱، ۳۵۹/۱، ۳۶۰/۱، ۳۶۱/۱، ۳۶۲/۱، ۳۶۳/۱، ۳۶۴/۱، ۳۶۵/۱، ۳۶۶/۱، ۳۶۷/۱، ۳۶۸/۱، ۳۶۹/۱، ۳۷۰/۱، ۳۷۱/۱، ۳۷۲/۱، ۳۷۳/۱، ۳۷۴/۱، ۳۷۵/۱، ۳۷۶/۱، ۳۷۷/۱، ۳۷۸/۱، ۳۷۹/۱، ۳۸۰/۱، ۳۸۱/۱، ۳۸۲/۱، ۳۸۳/۱، ۳۸۴/۱، ۳۸۵/۱، ۳۸۶/۱، ۳۸۷/۱، ۳۸۸/۱، ۳۸۹/۱، ۳۹۰/۱، ۳۹۱/۱، ۳۹۲/۱، ۳۹۳/۱، ۳۹۴/۱، ۳۹۵/۱، ۳۹۶/۱، ۳۹۷/۱، ۳۹۸/۱، ۳۹۹/۱، ۴۰۰/۱، ۴۰۱/۱، ۴۰۲/۱، ۴۰۳/۱، ۴۰۴/۱، ۴۰۵/۱، ۴۰۶/۱، ۴۰۷/۱، ۴۰۸/۱، ۴۰۹/۱، ۴۱۰/۱، ۴۱۱/۱، ۴۱۲/۱، ۴۱۳/۱، ۴۱۴/۱، ۴۱۵/۱، ۴۱۶/۱، ۴۱۷/۱، ۴۱۸/۱، ۴۱۹/۱، ۴۲۰/۱، ۴۲۱/۱، ۴۲۲/۱، ۴۲۳/۱، ۴۲۴/۱، ۴۲۵/۱، ۴۲۶/۱، ۴۲۷/۱، ۴۲۸/۱، ۴۲۹/۱، ۴۳۰/۱، ۴۳۱/۱، ۴۳۲/۱، ۴۳۳/۱، ۴۳۴/۱، ۴۳۵/۱، ۴۳۶/۱، ۴۳۷/۱، ۴۳۸/۱، ۴۳۹/۱، ۴۴۰/۱، ۴۴۱/۱، ۴۴۲/۱، ۴۴۳/۱، ۴۴۴/۱، ۴۴۵/۱، ۴۴۶/۱، ۴۴۷/۱، ۴۴۸/۱، ۴۴۹/۱، ۴۵۰/۱، ۴۵۱/۱، ۴۵۲/۱، ۴۵۳/۱، ۴۵۴/۱، ۴۵۵/۱، ۴۵۶/۱، ۴۵۷/۱، ۴۵۸/۱، ۴۵۹/۱، ۴۶۰/۱، ۴۶۱/۱، ۴۶۲/۱، ۴۶۳/۱، ۴۶۴/۱، ۴۶۵/۱، ۴۶۶/۱، ۴۶۷/۱، ۴۶۸/۱، ۴۶۹/۱، ۴۷۰/۱، ۴۷۱/۱، ۴۷۲/۱، ۴۷۳/۱، ۴۷۴/۱، ۴۷۵/۱، ۴۷۶/۱، ۴۷۷/۱، ۴۷۸/۱، ۴۷۹/۱، ۴۸۰/۱، ۴۸۱/۱، ۴۸۲/۱، ۴۸۳/۱، ۴۸۴/۱، ۴۸۵/۱، ۴۸۶/۱، ۴۸۷/۱، ۴۸۸/۱، ۴۸۹/۱، ۴۹۰/۱، ۴۹۱/۱، ۴۹۲/۱، ۴۹۳/۱، ۴۹۴/۱، ۴۹۵/۱، ۴۹۶/۱، ۴۹۷/۱، ۴۹۸/۱، ۴۹۹/۱، ۵۰۰/۱، ۵۰۱/۱، ۵۰۲/۱، ۵۰۳/۱، ۵۰۴/۱، ۵۰۵/۱، ۵۰۶/۱، ۵۰۷/۱، ۵۰۸/۱، ۵۰۹/۱، ۵۱۰/۱، ۵۱۱/۱، ۵۱۲/۱، ۵۱۳/۱، ۵۱۴/۱، ۵۱۵/۱، ۵۱۶/۱، ۵۱۷/۱، ۵۱۸/۱، ۵۱۹/۱، ۵۲۰/۱، ۵۲۱/۱، ۵۲۲/۱، ۵۲۳/۱، ۵۲۴/۱، ۵۲۵/۱، ۵۲۶/۱، ۵۲۷/۱، ۵۲۸/۱، ۵۲۹/۱، ۵۳۰/۱، ۵۳۱/۱، ۵۳۲/۱، ۵۳۳/۱، ۵۳۴/۱، ۵۳۵/۱، ۵۳۶/۱، ۵۳۷/۱، ۵۳۸/۱، ۵۳۹/۱، ۵۴۰/۱، ۵۴۱/۱، ۵۴۲/۱، ۵۴۳/۱، ۵۴۴/۱، ۵۴۵/۱، ۵۴۶/۱، ۵۴۷/۱، ۵۴۸/۱، ۵۴۹/۱، ۵۵۰/۱، ۵۵۱/۱، ۵۵۲/۱، ۵۵۳/۱، ۵۵۴/۱، ۵۵۵/۱، ۵۵۶/۱، ۵۵۷/۱، ۵۵۸/۱، ۵۵۹/۱، ۵۶۰/۱، ۵۶۱/۱، ۵۶۲/۱، ۵۶۳/۱، ۵۶۴/۱، ۵۶۵/۱، ۵۶۶/۱، ۵۶۷/۱، ۵۶۸/۱، ۵۶۹/۱، ۵۷۰/۱، ۵۷۱/۱، ۵۷۲/۱، ۵۷۳/۱، ۵۷۴/۱، ۵۷۵/۱، ۵۷۶/۱، ۵۷۷/۱، ۵۷۸/۱، ۵۷۹/۱، ۵۸۰/۱، ۵۸۱/۱، ۵۸۲/۱، ۵۸۳/۱، ۵۸۴/۱، ۵۸۵/۱، ۵۸۶/۱، ۵۸۷/۱، ۵۸۸/۱، ۵۸۹/۱، ۵۹۰/۱، ۵۹۱/۱، ۵۹۲/۱، ۵۹۳/۱، ۵۹۴/۱، ۵۹۵/۱، ۵۹۶/۱، ۵۹۷/۱، ۵۹۸/۱، ۵۹۹/۱، ۶۰۰/۱، ۶۰۱/۱، ۶۰۲/۱، ۶۰۳/۱، ۶۰۴/۱، ۶۰۵/۱، ۶۰۶/۱، ۶۰۷/۱، ۶۰۸/۱، ۶۰۹/۱، ۶۱۰/۱، ۶۱۱/۱، ۶۱۲/۱، ۶۱۳/۱، ۶۱۴/۱، ۶۱۵/۱، ۶۱۶/۱، ۶۱۷/۱، ۶۱۸/۱، ۶۱۹/۱، ۶۲۰/۱، ۶۲۱/۱، ۶۲۲/۱، ۶۲۳/۱، ۶۲۴/۱، ۶۲۵/۱، ۶۲۶/۱، ۶۲۷/۱، ۶۲۸/۱، ۶۲۹/۱، ۶۳۰/۱، ۶۳۱/۱، ۶۳۲/۱، ۶۳۳/۱، ۶۳۴/۱، ۶۳۵/۱، ۶۳۶/۱، ۶۳۷/۱، ۶۳۸/۱، ۶۳۹/۱، ۶۴۰/۱، ۶۴۱/۱، ۶۴۲/۱، ۶۴۳/۱، ۶۴۴/۱، ۶۴۵/۱، ۶۴۶/۱، ۶۴۷/۱، ۶۴۸/۱، ۶۴۹/۱، ۶۵۰/۱، ۶۵۱/۱، ۶۵۲/۱، ۶۵۳/۱، ۶۵۴/۱، ۶۵۵/۱، ۶۵۶/۱، ۶۵۷/۱، ۶۵۸/۱، ۶۵۹/۱، ۶۶۰/۱، ۶۶۱/۱، ۶۶۲/۱، ۶۶۳/۱، ۶۶۴/۱، ۶۶۵/۱، ۶۶۶/۱، ۶۶۷/۱، ۶۶۸/۱، ۶۶۹/۱، ۶۷۰/۱، ۶۷۱/۱، ۶۷۲/۱، ۶۷۳/۱، ۶۷۴/۱، ۶۷۵/۱، ۶۷۶/۱، ۶۷۷/۱، ۶۷۸/۱، ۶۷۹/۱، ۶۸۰/۱، ۶۸۱/۱، ۶۸۲/۱، ۶۸۳/۱، ۶۸۴/۱، ۶۸۵/۱، ۶۸۶/۱، ۶۸۷/۱، ۶۸۸/۱، ۶۸۹/۱، ۶۹۰/۱، ۶۹۱/۱، ۶۹۲/۱، ۶۹۳/۱، ۶۹۴/۱، ۶۹۵/۱، ۶۹۶/۱، ۶۹۷/۱، ۶۹۸/۱، ۶۹۹/۱، ۷۰۰/۱، ۷۰۱/۱، ۷۰۲/۱، ۷۰۳/۱، ۷۰۴/۱، ۷۰۵/۱، ۷۰۶/۱، ۷۰۷/۱، ۷۰۸/۱، ۷۰۹/۱، ۷۱۰/۱، ۷۱۱/۱، ۷۱۲/۱، ۷۱۳/۱، ۷۱۴/۱، ۷۱۵/۱، ۷۱۶/۱، ۷۱۷/۱، ۷۱۸/۱، ۷۱۹/۱، ۷۲۰/۱، ۷۲۱/۱، ۷۲۲/۱، ۷۲۳/۱، ۷۲۴/۱، ۷۲۵/۱، ۷۲۶/۱، ۷۲۷/۱، ۷۲۸/۱، ۷۲۹/۱، ۷۳۰/۱، ۷۳۱/۱، ۷۳۲/۱، ۷۳۳/۱، ۷۳۴/۱، ۷۳۵/۱، ۷۳۶/۱، ۷۳۷/۱، ۷۳۸/۱، ۷۳۹/۱، ۷۴۰/۱، ۷۴۱/۱، ۷۴۲/۱، ۷۴۳/۱، ۷۴۴/۱، ۷۴۵/۱، ۷۴۶/۱، ۷۴۷/۱، ۷۴۸/۱، ۷۴۹/۱، ۷۵۰/۱، ۷۵۱/۱، ۷۵۲/۱، ۷۵۳/۱، ۷۵۴/۱، ۷۵۵/۱، ۷۵۶/۱، ۷۵۷/۱، ۷۵۸/۱، ۷۵۹/۱، ۷۶۰/۱، ۷۶۱/۱، ۷۶۲/۱، ۷۶۳/۱، ۷۶۴/۱، ۷۶۵/۱، ۷۶۶/۱، ۷۶۷/۱، ۷۶۸/۱، ۷۶۹/۱، ۷۷۰/۱، ۷۷۱/۱، ۷۷۲/۱، ۷۷۳/۱، ۷۷۴/۱، ۷۷۵/۱، ۷۷۶/۱، ۷۷۷/۱، ۷۷۸/۱، ۷۷۹/۱، ۷۸۰/۱، ۷۸۱/۱، ۷۸۲/۱، ۷۸۳/۱، ۷۸۴/۱، ۷۸۵/۱، ۷۸۶/۱، ۷۸۷/۱، ۷۸۸/۱، ۷۸۹/۱، ۷۹۰/۱، ۷۹۱/۱، ۷۹۲/۱، ۷۹۳/۱، ۷۹۴/۱، ۷۹۵/۱، ۷۹۶/۱، ۷۹۷/۱، ۷۹۸/۱، ۷۹۹/۱، ۸۰۰/۱، ۸۰۱/۱، ۸۰۲/۱، ۸۰۳/۱، ۸۰۴/۱، ۸۰۵/۱، ۸۰۶/۱، ۸۰۷/۱، ۸۰۸/۱، ۸۰۹/۱، ۸۱۰/۱، ۸۱۱/۱، ۸۱۲/۱، ۸۱۳/۱، ۸۱۴/۱، ۸۱۵/۱، ۸۱۶/۱، ۸۱۷/۱، ۸۱۸/۱، ۸۱۹/۱، ۸۲۰/۱، ۸۲۱/۱، ۸۲۲/۱، ۸۲۳/۱، ۸۲۴/۱، ۸۲۵/۱، ۸۲۶/۱، ۸۲۷/۱، ۸۲۸/۱، ۸۲۹/۱، ۸۳۰/۱، ۸۳۱/۱، ۸۳۲/۱، ۸۳۳/۱، ۸۳۴/۱، ۸۳۵/۱، ۸۳۶/۱، ۸۳۷/۱، ۸۳۸/۱، ۸۳۹/۱، ۸۴۰/۱، ۸۴۱/۱، ۸۴۲/۱، ۸۴۳/۱، ۸۴۴/۱، ۸۴۵/۱، ۸۴۶/۱، ۸۴۷/۱، ۸۴۸/۱، ۸۴۹/۱، ۸۵۰/۱، ۸۵۱/۱، ۸۵۲/۱، ۸۵۳/۱، ۸۵۴/۱، ۸۵۵/۱، ۸۵۶/۱، ۸۵۷/۱، ۸۵۸/۱، ۸۵۹/۱، ۸۶۰/۱، ۸۶۱/۱، ۸۶۲/۱، ۸۶۳/۱، ۸۶۴/۱، ۸۶۵/۱، ۸۶۶/۱، ۸۶۷/۱، ۸۶۸/۱، ۸۶۹/۱، ۸۷۰/۱، ۸۷۱/۱، ۸۷۲/۱، ۸۷۳/۱، ۸۷۴/۱، ۸۷۵/۱، ۸۷۶/۱، ۸۷۷/۱، ۸۷۸/۱، ۸۷۹/۱، ۸۸۰/۱، ۸۸۱/۱، ۸۸۲/۱، ۸۸۳/۱، ۸۸۴/۱، ۸۸۵/۱، ۸۸۶/۱، ۸۸۷/۱، ۸۸۸/۱، ۸۸۹/۱، ۸۹۰/۱، ۸۹۱/۱، ۸۹۲/۱، ۸۹۳/۱، ۸۹۴/۱، ۸۹۵/۱، ۸۹۶/۱، ۸۹۷/۱، ۸۹۸/۱، ۸۹۹/۱، ۹۰۰/۱، ۹۰۱/۱، ۹۰۲/۱، ۹۰۳/۱، ۹۰۴/۱، ۹۰۵/۱، ۹۰۶/۱، ۹۰۷/۱، ۹۰۸/۱، ۹۰۹/۱، ۹۱۰/۱، ۹۱۱/۱، ۹۱۲/۱، ۹۱۳/۱، ۹۱۴/۱، ۹۱۵/۱، ۹۱۶/۱، ۹۱۷/۱، ۹۱۸/۱، ۹۱۹/۱، ۹۲۰/۱، ۹۲۱/۱، ۹۲۲/۱، ۹۲۳/۱، ۹۲۴/۱، ۹۲۵/۱، ۹۲۶/۱، ۹۲۷/۱، ۹۲۸/۱، ۹۲۹/۱، ۹۳۰/۱، ۹۳۱/۱، ۹۳۲/۱، ۹۳۳/۱، ۹۳۴/۱، ۹۳۵/۱، ۹۳۶/۱، ۹۳۷/۱، ۹۳۸/۱، ۹۳۹/۱، ۹۴۰/۱، ۹۴۱/۱، ۹۴۲/۱، ۹۴۳/۱، ۹۴۴/۱، ۹۴۵/۱، ۹۴۶/۱، ۹۴۷/۱، ۹۴۸/۱، ۹۴۹/۱، ۹۵۰/۱، ۹۵۱/۱، ۹۵۲/۱، ۹۵۳/۱، ۹۵۴/۱، ۹۵۵/۱، ۹۵۶/۱، ۹۵۷/۱، ۹۵۸/۱، ۹۵۹/۱، ۹۶۰/۱، ۹۶۱/۱، ۹۶۲/۱، ۹۶۳/۱، ۹۶۴/۱، ۹۶۵/۱، ۹۶۶/۱، ۹۶۷/۱، ۹۶۸/۱، ۹۶۹/۱، ۹۷۰/۱، ۹۷۱/۱، ۹۷۲/۱، ۹۷۳/۱، ۹۷۴/۱، ۹۷۵/۱، ۹۷۶/۱، ۹۷۷/۱، ۹۷۸/۱، ۹۷۹/۱، ۹۸۰/۱، ۹۸۱/۱، ۹۸۲/۱، ۹۸۳/۱، ۹۸۴/۱، ۹۸۵/۱، ۹۸۶/۱، ۹۸۷/۱، ۹۸۸/۱، ۹۸۹/۱، ۹۹۰/۱، ۹۹۱/۱، ۹۹۲/۱، ۹۹۳/۱، ۹۹۴/۱، ۹۹۵/۱، ۹۹۶/۱، ۹۹۷/۱، ۹۹۸/۱، ۹۹۹/۱، ۱۰۰۰/۱، ۱۰۰۱/۱، ۱۰۰۲/۱، ۱۰۰۳/۱، ۱۰۰۴/۱، ۱۰۰۵/۱، ۱۰۰۶/۱، ۱۰۰۷/۱، ۱۰۰۸/۱، ۱۰۰۹/۱، ۱۰۱۰/۱، ۱۰۱۱/۱، ۱۰۱۲/۱، ۱۰۱۳/۱، ۱۰۱۴/۱، ۱۰۱۵/۱، ۱۰۱۶/۱، ۱۰۱۷/۱، ۱۰۱۸/۱، ۱۰۱۹/۱، ۱۰۲۰/۱، ۱۰۲۱/۱، ۱۰۲۲/۱، ۱۰۲۳/۱، ۱۰۲۴/۱، ۱۰۲۵/۱، ۱۰۲۶/۱، ۱۰۲۷/۱، ۱۰۲۸/۱، ۱۰۲۹/۱، ۱۰۳۰/۱، ۱۰۳۱/۱، ۱۰۳۲/۱، ۱۰۳۳/۱، ۱۰۳۴/۱، ۱۰۳۵/۱، ۱۰۳۶/۱، ۱۰۳۷/۱، ۱۰۳۸/۱، ۱۰۳۹/۱، ۱۰۴۰/۱، ۱۰۴۱/۱، ۱۰۴۲/۱، ۱۰۴۳/۱، ۱۰۴۴/۱، ۱۰۴۵/۱، ۱۰۴۶/۱، ۱۰۴۷/۱، ۱۰۴۸/۱، ۱۰۴۹/۱، ۱۰۵۰/۱، ۱۰۵۱/۱، ۱۰۵۲/۱، ۱۰۵۳/۱، ۱۰۵۴/۱، ۱۰۵۵/۱، ۱۰۵۶/۱، ۱۰۵۷/۱، ۱۰۵۸/۱، ۱۰۵۹/۱، ۱۰۶۰/۱، ۱۰۶۱/۱، ۱۰۶۲/۱، ۱۰۶۳/۱، ۱۰۶۴/۱، ۱۰۶۵/۱، ۱۰۶۶/۱، ۱۰۶۷/۱، ۱۰۶۸/۱، ۱۰۶۹/۱، ۱۰۷۰/۱، ۱۰۷۱/۱، ۱۰۷۲/۱، ۱۰۷۳/۱، ۱۰۷۴/۱، ۱۰۷۵/۱، ۱۰۷۶/۱، ۱۰۷۷/۱، ۱۰۷۸/۱، ۱۰۷۹/۱، ۱۰۸۰/۱، ۱۰۸۱/۱، ۱۰۸۲/۱، ۱۰۸۳/۱، ۱۰۸۴/۱، ۱۰۸۵/۱، ۱۰۸۶/۱، ۱۰۸۷/۱، ۱۰۸۸/

مذہب ہے بلکہ مفتی کے سامنے اپنا حادثہ پیش کریں اور اس کا حل پوچھیں ہاں اگر حادثہ کسی امام معین کے مذہب کے بارے میں دریافت کرنا ہو تو تب یہ کہنا بجا ہے کہ اس بارے میں فلان امام کا کیا مذہب ہے۔

۵: مفتی کے جواب کے بعد یہ نہ کہے کہ میرا بھی یہی خیال ہے یا میری بھی یہ رائے ہے۔ اور یہ بھی نہ کہے کہ فلاں شخص نے بھی یہ کہا تھا۔ اور یہ بھی نہ کہے کہ اگر آپ کا فتویٰ فلاں شخص کے فتویٰ کے موافق ہو تو پھر لکھو ورنہ نہ لکھو۔

۶: مستفتی جواب کو مفتی کے حالات (قیام، حالت، اولگھ یا کسی دوسری حالت میں) نہ پوچھیں جس وقت مفتی کا دل کسی اور کام میں مشغول ہو۔ اگر تحریر اسوال کرنا ہو تو ایسے کا تب سے لکھوئے جو غرض سوال کو پوری طرح واضح کرے اور خط صاف سحر اور خوشخط ہو۔

۸: مستفتی کے اداب میں یہ بھی داخل ہے کہ مفتی سے دلیل فتویٰ کا مطالبہ نہ کرے البتہ اگر مطالبہ کرے تو کسی دوسری مجلس میں کرے یا اسی مجلس میں دلیل کا مطالبہ کریں لیکن اس کے فتویٰ کو قبول کرے بعد میں پوچھے۔ (مقدمہ شرح المذہب ۶۸/۱)۔

۹: اگر مستفتی کو وہ حادثہ دوبارہ یاد آجائے تو کیا دوبارہ مفتی سے معلومات کریں یا نہیں۔ اس کے بارے میں شیخ ابن الصلاح نے دو آراء نقل کیے ہیں۔

۱: مفتی کے ذمہ دوبارہ دریافت کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ مفتی کی رائے تبدیل ہو چکی ہو۔

۲: دوسری رائے یہ ہے کہ مفتی اکثر اپنی پرانی رائے پر قائم ہوتا ہے۔ اس لئے مفتی کو پوچھنا لازمی نہیں اور یہی قول صحیح ہے۔ (آداب المستفتی ۹۰/۱)۔

۱۰: شیخ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

”ينبغي ان تكون رقة الاستفتاء واسعة ليتمكن من الاستفتاء الجواب“ (آداب المستفتی ۹۱/۱)۔

بڑے ورق کی ضرورت اس لئے ہے کہ جواب قدرے تفصیلی ہوتا کہ غدشات باقی نہ رہیں۔ اس لئے کہ چھوٹے ورق میں جواب مختصر ہوگا جو کبھی کبھی مطلب کو حل نہیں کرتا اور یہ مفتی کو ضرر رساں ہے۔ اس لئے استفتاء بڑے ورق پر لکھنا ضروری ہے۔

۱۱: استفتاء میں دعائیہ کلمات لکھنا چاہیے اگر کسی شخص معین سے سوال کرنا مقصود ہو تو خاص اس کو دعائیہ کلمات لکھے ورنہ دعائیہ کلمات عمومی الفاظ میں تحریر کرے:

۱۲: اگر فوراً جواب مطلوب ہو تو مفتی رقعہ کھول کر مفتی کے سامنے رکھے اس کو کھولنے کی تکلیف نہ دے اور نہ اس کو بند کرنے کی تکلیف دے۔

۱۳: اگر مفتی کسی حادثہ کا حل مختلف مفتیان سے کرانا چاہے تو اولاً بڑے عالم کے سامنے پیش کرے پھر وہی رقعہ مع الجواب دوسرے عالم کو بھیجے البتہ اگر ہر ایک سے الگ الگ جوابات لینے کا ارادہ ہو تو پھر ترتیب ضروری نہیں۔

۱۴: اگر مفتیان کے جواب میں اختلاف ہو تو مفتی کے لئے بقول علماء کے سخت فتویٰ پر عمل کرنا چاہیے اس لئے کہ وہ احوط ہے۔ اور بقول

بعض علماء کے اخف اور آسان فتویٰ پر عمل کرنا چاہیے اس لئے کہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور بقول بعض خود اجتہاد اور سستی کر کے ان ہی میں سے علم کا فتویٰ اختیار کرے اسی کو علامہ سمعانی کبیر نے اختیار کیا ہے اور بقول بعض کے دوسرے مفتی سے پوچھے جس کے ساتھ اس تیسرے مفتی کا فتویٰ موافق ہو تو اسی پر عمل کرے۔

فتویٰ وترجیح:

فقہی مسائل و جزئیات بہت سارے ہیں جن میں بعض دوسرے کے مخالف اور معارض ہیں۔ اس اختلاف اور تعارض کو فقہاء کے طبقے اصحاب الترجیح نے رفع کیا ہے بعض کو رائج قرار دیکر قابل عمل قرار دیا ہے۔ اور دوسرے کو مرجوح قرار دیا ہے تاکہ لوگ اس سخت اور مشکل دلدل سے نکل آئیں۔ ان فقہاء میں تو بعض حضرات مثلاً اصحاب متون نے تو اپنے اوپر لازمی کیا ہے کہ وہ مسائل ذکر کرینگے جو رائج اور مفتی بہ ہوں۔ اس ترجیح کے لئے ان حضرات نے کوئی ظاہری علامت نہیں لگائی صرف التزام وجہ الترجیح ہے۔ اور بعض حضرات نے التزام نہیں کیا اس لئے ترجیح کے لئے ظاہری علامات ذکر کیے ہیں: وہ ظاہر علامات یہ ہیں:

علیہ الفتویٰ والا احتیاط: العمل قوی الدلیلین (۱۸۳/۱) المختار

وبہ یفتی وبہ ناخذ

علیہ الاعتماد علیہ عمل الیوم

علیہ عمل الأمة هو الصحيح هو الاصح

هو الاظهر هو المختار فی زماننا

هو فتویٰ مشائخنا هو الاشبه ای الاشبه بالمنصوص رواية

والراجح درایة فیکون علیہ الفتویٰ اه. (شامی ۱۸۳/۱) هو الا وجه

وبہ اخذ علماءنا وبہ ناخذ هو المتعارف ای الاظهر وجها

هو الظاهر وبہ یعتمد علیہ فتویٰ مشائخنا

وبہ جرى العرف هو المختار وهو الا حوط .

یہ علامات ہیں جو مدخول بھاجزیہ کو قابل ترجیح بناتا ہے:

مشتقة من المفتی وهو الثاب القوی وسمیت به لان المفتی یقوی السائل.

بما الجواب حادثہ: (۲) علیہ عمل الیوم: المراد بالیوم مطلق الزمان وال فیہ للحضور، والا ضافة علی معنی

فی، واضافۃ المصدر الی زمانہ کصوم رمضان ای قال البیری فی حاشیۃ الأشباہ: اقول: وكذلك الظاهر والأظهر ثم ان الاظهر يراد بمعنى الأصح كما ذكره المصنف في الوكالة من شرحه على الكنز وذكر في الدعوى من شرحه ان لفظ اوجه واحسن من تصحيح وفي الخلاصة ذكر في كتاب الحيطان: وما ذكر الا في حد القديم في غاية الحسن: وظاهر انه من الفاظ التصحيح اه. بقر من الفاظ التصحيح الا حوط أى ادخل في الاحتياط والا حياط العمل بأقوى الدليلين. (حاشية البيري على الاشباہ ۲/ ۲۵۵، ۲۵۶. قواعد وفوائد مشتق من الجمع والفروق من ابواب متفرقة“).

تفاوت بینہم:

ان الفاظ ظاہرہ اور علامات الترجیح میں بعض علامات بعض سے مؤکد ہیں: مثلاً جن علامات میں لفظ فتویٰ آئے جیسے علیہ الفتویٰ۔ وبہ یفتی وغیر تو یہ علامت دیگر علامات مثلاً لفظ صحیح۔ اصح وغیر سے زیادہ مؤکد ہیں۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ: ”لفظ وبہ فاخذ، علیہ عمل الیوم علیہ عمل الاثمہ“ بھی لفظ فتویٰ کے مساوی ہے لہذا یہ الفاظ بھی دیگر علامات سے قوی ہیں۔ (شامی ۱/ ۷۳)۔

اسی طرح بہ یفتی کی علامت الفتویٰ علیہ سے زیادہ مؤکد ہے اس لئے کہ بہ یفتی یا علیہ الفتویٰ میں تقدیم خبر صریح ہے: علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ علیہ الفتویٰ یا بہ یفتی میں احصار ہے معنی یہ ہے کہ یہ علامات دیگر علامات سے زیادہ قوی ہے اسی طرح لفظ احوط لفظ احتیاط سے زیادہ مؤکد ہے:-

”ان الفتویٰ لاتكون الا بذلك والثاني يفيد الاصحیة. (شامی ۱/ ۷۳)۔

صحیح اور اصح میں تفاوت:

جس طرح علامات بعض سے زیادہ مؤکد ہیں تو اسی علامات میں بعض علامات صحیح میں صحیح قوی ہے اصح سے۔ اس لئے کہ اصح اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اس کے علاوہ بھی کوئی دوسرا قول صحیح ہے مگر ”هو الصحيح“ میں یہ احتمال نہیں۔ اس لئے علامہ ابراہیم الحلی فرماتے ہیں کہ:

اذا تعارض امامان معتبران في التصحيح فقال احدهما الصحيح كذا وقال الآخر الاصح كذا فالأخذ بقول من قال الصحيح أولى من الأخذ بقول من قال الاصح لان الصحيح مقابلة الفاسد والاصح مقابلة الصحيح فقد وافق من قال الاصح قائل الصحيح على انه صحيح واما من قال الصحيح فعنده ذلك الحكم الاخر فاسد فالأخذ

خذبہما اتفاقا علی انہ صحیح اولی من الأخذ بما ہو عند احدہما فاسد . (کبیری ص ۵۸)

علامہ ابن ماجہ، ابن فرماستے ہیں کہ:

قلت: والعلة لاتختص هذين اللفظين بل كذلك الوجه الاوجه والا حياط والا حوط . (شامی ج ۱/ ۸۳)
یعنی یہ سیغ اسم تفضیل سے مقابلہ کی صورت میں صفت مشبہ زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اس لئے مذکورہ علت کہ اسم تفضیل میں دیگر کی صحت
نئی نہیں ہوتی بلکہ دوسرا بھی ان کے ساتھ صحت میں شریک ہوتا ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ اسم تفضیل نسبت دوسرے کے زیادہ قوی
ہے۔ مگر صفت مشبہ کے صیغے میں صرف اپنی قوت کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کی نفی بھی ہوتی ہے۔ اس لئے ”علامہ حصکفی
فرماتے ہیں کہ: ”ثم رأيت في رسالة ادا ب المفتي:

اذا رواية في كتاب معتمد بالا صح أو اولی او الا وفق او نحوها فله ان يفتي بها وبمخالفتها ايضاً أى شاء واذا
بالصحيح او الماخوذ به او وبه يفتي او عليه الفتوى لم بمخالفته“ . (لدر المختار ۱/ ۷۴)
اور قواعد الفقہ میں ہے:

”من آداب الفتوى كون المفتي حافظاً للترتيب و العدل بين المستفتين ولا يميل الى الاغنياء والامراء
يكتسب جزاء من سبق غنيا كان او فقيراً حتى يكون ابعد من الميل ومن الادب ان لا يرمى بالكاذب كما اعتاد
سوء الناس لان فيه اسم الله فالتعظيم واجب و كان او فقير بعضهم لا يأخذ الرقعة من يد امرأة ولا صبي و كما
له تلمذ يأخذ منهم ويجمعها ويرفعها فيكتبها تعظيماً للعلم والا حسن اخذ المفتي من كل واحد تواضعاً وم
الادب ان يأخذ الورقة بالحرمة و يقرء المسئلة بالبصيرة مرة بعد اخرى حتى يتضح له السؤال ثم يجيب و
يأبى بشئ لم يفهمه وقد صح عنه صلى الله عليه وسلم انه قال من افتى بفتيا من غير ثبت فانما اثمه على
افتاء (هندية، مسند، احمد دارمی، ابن ماجه).

الواجب على المفتي في هذا الزمان المبالغة في ايضاح الجواب لغلبة الجهل فلا يجيب على الاطلاع
والارسال و كذا يجنب عن الالغاز لكن ينظر ويتفكر فان كان من جنس ما يفصل من جوابها فليفعل وليج
سرفاً حراً . (مفتاح . اصول كرخي ، سراجية).

شي المسائل الدينية التي اجمع عليها اهل السنة والجماعة ينبغي ان يكتب والله الموفق اوباً لله التوفيق
بالله العظمة . (هندية).

اذا اجاب المفتي ينبغي ان يكتب عقيب الجواب والله اعلم او نحو ذلك . (هندية).

☆☆☆☆☆